

نام کتاب	:	لغات قرآن اور عورت کی شخصیت
مصنف	:	خورشید عالم
صفحات	:	۵۶۰
ناشر	:	چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
قیمت	:	۸۵۰
سن اشاعت	:	۲۰۱۱ء
تبصرہ نگار	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج ☆

خورشید عالم صاحب معاصر علمی دنیا کے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ قبل ازیں ان کی کتاب ”چہرے کا پردہ واجب یا غیر واجب“^(۱)، اور ایک کتابچہ ”عورت کی حکمرانی اور حضرت ابو بکرؓ کی روایت“^(۲)، بھی شائع ہو چکا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ”لغات قرآن اور عورت کی شخصیت“ ان کی ایک مبسوط کتاب ہے۔ جس کا پیش لفظ ڈاکٹر شیر محمد زمان نے لکھا ہے۔ پیش لفظ کے ایک جملے سے خورشید عالم صاحب کا مختصر تعارف بہ آسانی ہو جاتا ہے۔ لکھتے ہیں۔ ”برسوں پہلے پروفیسر خورشید عالم سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو مجھے اچنبھا ہوا کہ اس مسوٹ، موٹ، و منکٹ (سوٹ بوٹ نکٹائی میں ملبوس) ”پہلو ان رعنا“ کے اندر عربی و علوم اسلامیہ کا ایک جید عالم پوشیدہ ہے۔“ (ص ۲۱)

پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) صفحات کی یہ کتاب اٹھائیس (۲۸) ابواب پر مشتمل ہے۔ اور بلاشبہ ہر باب کے اندر مصنف کا قرآن مجید سے گہرا تعلق اور تمسک نیز علمی و فکری رجحان و استدلال اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ جو اسے کتاب کے مرکزی و محوری عنوان سے منسلک کیے ہوئے ہے۔ وگرنہ کہاں درج ذیل عناوین ابواب مثلاً طائفہ.....عبد.....فریق.....قوم..... اور ولی وغیرہ، جو بظاہر، مرکزی عنوان سے غیر متعلق

☆ ڈین کلیہ، معارف اسلامیہ، یونیورسٹی آف کراچی، کراچی

۱- سن اشاعت، ۲۰۰۸، ناشر دارالتذکیر، رحمن مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور، صفحات ۴۱۲

۲- یہ کتابچہ مطبوعہ صورت میں مکتبہ دانشوراں اردو بازار لاہور سے دستیاب ہے۔ (بحوالہ زیر تبصرہ کتاب ص ۳۷۸)

معلوم ہوتے ہیں۔ مگر مصنف نے ان سارے عناوین کو مرکزی عنوان کے تابع کر کے اپنی وسعتِ علمی کا ثبوت دیا ہے۔ خواتین کے تعلق سے بالعموم جو غلط نظریات و تصورات ہمارے معاشرے میں رچ بس گئے ہیں، یہ کتاب اس کے ازالے کی عمدہ کاوش ہے اور کتاب کا مقصدِ تحریر بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں خواتین کی انفرادی حیثیت کا مقدمہ بہت پُر جوش وکیل اور ترجمان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس لیے کہیں کہیں وہ جذبات کی رو میں بہہ کر مردوں کو بُرا بھلا بھی لکھ گئے ہیں۔ میرا خیال ہے خواتین کے حق میں دلائل دینے کے بعد مردوں کو محبت سے متوجہ کرنے کی کوشش ان کی تحریر کو زیادہ مؤثر اور پُرکشش بنا سکتی تھی۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ کتاب بھی اگر مصنف نے اپنی کچھلی کتاب ”پردہ واجب یا غیر واجب“ کی طرح، عبد الستار غوری صاحب جیسے ناقد کو دکھا دی ہوتی اور وہ اس پر نظر ثانی کر لیتے تو شاید راقم کو اس شکلے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

مصنف کے بقول:

”اس کتاب کا طرزِ تحقیق یہ ہے کہ اس میں ان تمام الفاظ کو حروفِ تہجی کے اعتبار سے جمع کر دیا گیا ہے۔ جو قرآن حکیم میں صرف عورت، ماں، بہن، بیٹی، اور بیوی کے لیے وارد ہوئے ہیں۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ ماں، بہن، بیٹی کے لیے قرآن میں عربی زبان کی مانند صرف ایک ہی لفظ وارد ہوا ہے۔ جبکہ بیوی کے لیے اسمِ ذات امرأۃ کے علاوہ چار صفاتی نام بھی وارد ہوئے ہیں۔ جن کو قرآن نے اسمِ ذات کی جگہ استعمال کیا ہے۔ مثلاً اہل (اہلیہ، گھر والی) حلیمہ (ایک ساتھ رہنے والی) زوج (جوڑا) صاحبہ (ساتھی).....“ (ص ۲۸)

مصنف نے اپنے دیباچے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ”ہر لفظ کی پہلے لغوی تشریح کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ تر انحصار احمد بن فارس بن زکریا (المتوفی ۳۹۵ھ) کی مجتم مقامیس اللغۃ اور امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) کی مفردات القرآن پر کیا گیا ہے۔“ اور ان دونوں کتابوں کی خصوصیت میں لکھا ہے کہ اول الذکر کتاب میں ہر لفظ کا مادہ بتایا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر مادہ میں فلاں حروف مثلاً ہمزہ اور باء ہوں تو فلاں بنیادی معنی ہوں گے اور مؤخر الذکر کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ قرآن مجید کا وہ واحد دستیاب مستند اور جامع لغت ہے، جس سے ابن حجر اور علامہ عینی جیسے شارحین استفادہ کرتے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں مصنف نے جن دیگر لغات سے استفادہ کیا ہے، ان میں جوہری (متوفی ۳۳۲ھ) کی صحاح، ابن منظور (متوفی ۶۳۰ھ) کی لسان العرب، مجدد الدین فیروز آبادی (متوفی ۷۲۹ھ) کی القاموس المحیط، فیومی (متوفی ۷۷۰ھ) کی المصباح المنیر، اور لین (Lane) کی Lexicon شامل ہیں۔ ان سات ماہرین لغات کے علاوہ مصنف نے ان علماء کی کتابوں کی طرف بھی رجوع کیا ہے، جو مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ لغت کے امام بھی تھے۔ مثلاً الفراء (متوفی ۲۰۷ھ) اور انخس (متوفی ۳۱۰ھ) کی معانی القرآن، ابن قتیبہ دینوری (متوفی ۲۷۷ھ) کی القرطین، امام محشری (متوفی ۵۳۵ھ) کی اساس البلاغۃ اور تفسیر کشف، ابو حیان اندلسی (متوفی ۷۲۵ھ) کی المحر المحیط اور قاضی بیضاوی (متوفی ۷۹۱ھ) کی انوار التنزیل۔

مصنف نے قرآنی الفاظ کو سمجھنے کا ایک ماخذ خود قرآن حکیم کو قرار دیا ہے اور اس ضمن میں لکھا ہے کہ ”قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی خود تفسیر کرتا ہے۔ قرآن ایک مقام پر اگر اجمال ہے تو دوسرے پر تفصیل ہے۔ اگر ایک جگہ تعمیم ہے تو دوسری جگہ تخصیص ہے۔ اگر مختلف آیات میں استعمال ہونے والے ایک لفظ کو یکجا کر دیا جائے تو اس لفظ کے معانی خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔“ (ص ۳۱) اس سلسلے میں انہوں نے عربی تفاسیر کی کم و بیش تمام قدیم و جدید کتابوں سے استفادہ کا دعویٰ کیا ہے۔ (ص ۳۱) مگر ان کا یہ دعویٰ راقم کے نزدیک محل نظر ہے۔ کیونکہ ان کی کتاب میں عربی کی قدیم و جدید تفاسیر کا حوالہ چند کتابوں سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔ تاہم مصنف نے عربی تفاسیر کے ساتھ ساتھ اردو کی ان تفاسیر کی طرف بھی رجوع کیا ہے جن کے لکھنے والوں کا عربی ذوق مسلم ہے۔ مثلاً مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا امین احسن اصلاحی، اور بیان القرآن کے مفسر مولانا محمد علی۔ (ص ۳۱)

قرآن مجید کے بعد ایک اہم ماخذ حدیث ہے۔ مصنف نے اس ماخذ سے بھی استفادہ کا دعویٰ کیا ہے مگر اس وضاحت کے ساتھ کہ:

”اہل تحقیق نے قرآن کے کسی لفظ کی تشریح کے لیے صرف اس روایت باللفظ پر اعتماد کیا ہے جس کی نسبت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو۔ روایت باللفظ کی تعداد روایت بالمعنی کے مقابلے میں بہت ہی قلیل ہے۔ اگر تفسیری روایات مستند ہوتیں تو امام احمد بن حنبل کے پایہ کے محدث کو یہ کہنا نہ پڑتا، ثلاثة ليس لها اصل، التفسير، الملاحم و المغازی

(موضوعات: ملا علی قاری، ص ۸۵) یعنی تین قسم کی روایات بے بنیاد

ہیں۔ تفسیر، ملاحم، اور غزوات۔“ (ص ۳۱-۳۲)

الفاظ کی تشریح کرتے وقت مصنف نے (بقول) ”خود امام راغب کی مفردات کے اصول منہج کی پیروی کی ہے۔ سب سے پہلے ہر لفظ کے جوہری معنی متعین کیے ہیں۔ اور ان معانی کو پیش نظر رکھا ہے۔ جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے۔“ (ص ۳۰)

معانی کی وضاحت میں مصنف نے عربی اشعار اور عربی محاوروں کو شاید اول کے طور پر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب میں جا بجا عربی اشعار موجود ہیں۔ دیکھئے: ص: ۴۵، ۴۷، ۸۱، ۸۶، ۱۳۵، ۱۶۰، ۱۸۱، ۱۹۶، ۲۳۹، ۲۴۷، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۸، ۳۲۳، ۳۸۸، ۳۸۹، ۴۱۱، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۵۰، ۴۵۴، ۴۵۷، ۴۹۹، ۵۰۳، ۵۱۴، ۵۲۵، ۵۲۸، ۵۳۴، ۵۴۳، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۵۴ وغیرہ) مصنف نے مذکورہ بالا طرز تحقیق (یعنی قرآن مجید، احادیث طیبہ، لغت، عربی اشعار، اور محاوروں کے استعمال) کو ہی اپنا اسلوب قرار دیا ہے۔

راقم کو مصنف کی اس بات سے صد فی صد اتفاق ہے کہ ”عربی کے بہت سے الفاظ (اردو زبان میں) اپنے اصل معانی سے مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔“ (ص ۳۲) اس ضمن میں انہوں نے لفظ عورت کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ ان کا شکوہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ لفظ عیب، خلل اور شرم گاہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مگر اردو زبان میں اسے خاتون کے لیے اسم جنس کے طور پر اختیار کر لیا گیا ہے۔ (ص ۳۲) مگر اس تحقیق کے باوجود وہ خود اپنی تحقیق پر عمل نہیں کر سکے۔ پوری کتاب میں وہ خواتین کو عورت ہی لکھتے رہے حالانکہ اپنی تحقیق کی روشنی میں انہیں اس لفظ سے اجتناب کرنا چاہئے تھا۔

مصنف نے جہاں مذکورہ بالا ماہرین لغت اور علمائے تفسیر کے ناموں کا کشادہ دلی سے ذکر کیا ہے۔ جن سے اس کتاب میں کم یا زیادہ استشہاد یا استفادہ کیا گیا ہے۔ وہیں کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے بعض دیگر علماء و مشاہیر سے بھی براہ راست استفادہ کیا ہے۔ جیسے مفتی محمد عبدہ، (ص ۳۱، ۹۱، ۲۷۲، ۵۴۹، ۵۵۵) ابن رشد (ص ۹۷) شاہ ولی اللہ دہلوی (ص ۱۵۰) ناصر البانی (ص ۱۲۱) علامہ رشید رضا (ص ۴۲، ۱۷۰، ۲۷۹، ۲۸۹، ۴۴۷، ۴۹۹)، مولانا تھانوی (ص ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۱۹) ابن تیمیہ (ص ۳۰۲) عبد الکریم الخطیب (ص ۲۱۶، ۳۰۶، ۳۲۶) حفظ الرحمن سیو ہاروی (ص ۲۲۳) ازہری (ص ۲۹۷) عبد اللہ یوسف علی (ص ۳۰۶، ۳۲۹) عبد الماجد دریا بادی (ص ۳۹۴، ۴۵۱) عباس محمود العقاد (ص ۳۹۹)

ابن قیم (ص ۹۶، ۲۰۶) سید قطب (ص ۷۴، ۷۷، ۱۲۱) عبدالحی کتانی (ص ۹۶) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ص ۱۰۳) وغیرہ۔

علاوہ ازیں جن کتابوں کے حوالوں سے کتاب کو مزین کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض کے اسماء درج ذیل ہیں۔ (واضح رہے کہ یہ وہ کتابیں ہیں، جن سے راقم کو مصنف کے براہ راست استفادہ کا تاثر ملا ہے) (واللہ اعلم بالصواب) مثلاً المعجم الوسیط (ص ۲۶۱، ۲۷۷، ۳۸۳) فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۱۵ (ص ۹۸) تفسیر المرائی (ص ۲۱۶، ۳۵۷) کتاب التسهیل (ص ۲۸۸) انسائیکلو پیڈیا آف آئیٹھکس، جلد ۳، (ص ۶۷) مغنی اللیب (ص ۱۹۲) امام ابن حزم اندلسی (ص ۹۵-۷۱-۹۳) مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ (ص ۱۹۲) وغیرہ۔

.....(۲).....

اس تمہید کے بعد مصنف کی قرآن فہمی کے چند نظائر پیش خدمت ہیں:

- مصنف نے قصاص کے مسئلہ پر ”الحر بالحر“ کی نہایت عمدہ وضاحت کرتے ہوئے آیت کی تفسیر میں دو نقطہ ہائے نظر بیان کیے ہیں۔ اور اپنا مختار باریں الفاظ بیان کیا ہے۔ ”امام ابو حنیفہ، عورت کے بدلے مرد اور ذمی کے بدلے مسلمان کا قتل جائز گردانتے ہیں اور یہی مذہب درست معلوم ہوتا ہے۔“ (ص ۱۶۸)
- اہل البیت کے معنی کی بحث بھی قابل توجہ ہے۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ قرآن حکیم میں اہل البیت کی ترکیب تین مقامات پر استعمال ہوئی ہے اور تینوں مقامات پر اس کے معنی زوجہ کے ہیں۔ (ص ۱۹۳) اس طرح مصنف نے اہل البیت کے عام معنی سے ہٹ کر اس کی تفہیم کی ہے اور اسے قرآن حکیم کی روشنی میں بیان کیا ہے۔
- حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کے تعلق سے بھی مصنف کا استدلال صحیح اور معقول نظر آتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

”اکثر مفسرین نے یہاں بنات (بیٹیوں) کو مجازی معنوں میں لیا ہے۔ کیونکہ نبی اپنی اُمت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ اور اس کی بیوی ماں کا درجہ رکھتی ہے..... اس لیے ساری قوم کی عورتیں اس کی بیٹیاں کہلاتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت لوط علیہ السلام کی صرف دو بیٹیاں تھیں۔ رتنا

اور زعورا اور دو کے لیے جمع کا صیغہ بنات استعمال نہیں ہوتا۔ دو بیٹیاں

تو قوم کے انبوہ کثیر کے لیے کافی نہ تھیں۔“ (ص ۲۵۵)

اس لیے جن لوگوں نے بنات کا لفظ حقیقی معنوں میں سمجھا ہے، وہ درست نظر نہیں آتا۔

..... ۰ مصنف کے ہاں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۰ کی تفہیم دو طریقوں سے کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ کوئی مومن عورت اگر اپنا وجود، نبی ﷺ کے حوالے کر دے اور دوئم یہ کہ کوئی مومن اگر اپنے وجود کا فیصلہ نبی کے حوالے کر دے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں: ”روایت یہ بھی ہے کہ اس عورت نے شادی کے لیے آپ کو اپنا سر پرست بنا لیا کہ وہ جس سے چاہیں، شادی کر دیں (ص ۲۵۹) واضح رہے کہ قرآنی لفظ ”یستنکحها“ کا ترجمہ خود نکاح کرنا نہیں ہوتا بلکہ نکاح کروانا یا نکاح کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ قرآنی لفظ کے پیش نظر، مذکورہ بالا روایت ازروئے درایت سو فیصد درست نظر آتی ہے۔ [یستنکحها) کے تعلق سے ملاحظہ ہو، راقم کا مضمون جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ (مئی ۲۰۱۲ء) میں شامل اشاعت ہے۔]

..... ۰ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۲۲ میں حیض کے تعلق سے لفظ اذئی آیا ہے۔ مصنف نے اس لفظ کا مفہوم عمدہ طریق پر بیان کیا ہے۔ لکھا ہے: ”آیت میں لفظ اذئی سے مراد وہ ضرر ہے جو ماہواری کے ایام میں جنسی ملاپ سے لاحق ہوتا ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ ماہواری بذاتہ ضرر رساں ہے یا ایک عیب ہے۔ ممانعت کی علت خون ہے۔ اس لیے خون بند ہونے کے بعد یہ پابندی خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔“ (ص ۲۵۲) راقم کے نزدیک مصنف کا آخری جملہ محل نظر ہے۔ قرآنی الفاظ کے مطابق فقط خون کا بند ہو جانا ہی صحبت کے جواز کے لیے کافی نہیں ہے۔ اگر یہی ہوتا تو ولا تقربوہن حتیٰ یطہرن۔ کے بعد فاذا تطہرن کے الفاظ نہ لائے جاتے۔ بلاشبہ یطہرن میں خون بند ہونے کا ذکر ہے۔ مگر صحبت کے لیے تطہرن کا لفظ اضافی طور پر لایا گیا ہے۔ جس میں عورت کے غسل کی طرف اشارہ ہے۔ اس ضمن میں امین احسن اصلاحی رقمطراز ہیں۔

”آیت میں طہر اور تطہر دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ طہر کے معنی تو

یہ ہیں کہ عورت کی ناپاکی کی حالت ختم ہو جائے اور خون آنا بند ہو جائے

اور تطہر کے معنی یہ ہیں کہ عورت نہا دھو کر پاکیزگی کی حالت میں

آجائے۔ آیت میں عورت سے قربت کے لیے طہر کو شرط قرار دیا ہے۔

اور ساتھ میں فرما دیا ہے کہ جب وہ پاکیزگی حاصل کر لیں تب ان کے پاس آؤ، جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ چونکہ قربت کی ممانعت کی اصلی علت خون ہے۔ اس وجہ سے اس کے انقطاع کے بعد یہ پابندی تو اٹھ جاتی ہے۔ لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب عورت نہا دھو کر پاکیزگی حاصل کر لے تب اس سے ملاقات کرو۔“ (۳)

والصاحب بالجنب (النساء ۳۶) کا ترجمہ بالعموم لوگوں نے ”ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے ہوئے) شخص سے کیا ہے۔“ (۴) مگر مصنف نے ’صاحب‘ کے اندر قاعدہ تغلیب کے تحت صاحبہ کو بھی شامل کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔

”آیت میں ہم نشین کے لیے صاحب بالجنب کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جس کے لفظی معنی پہلو کا ساتھی ہیں..... صاحب البحر محیط کے مطابق علی، عبد اللہ بن مسعود، ابراہیم الخنقی اور عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کا قول ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے، عبد بن حمید نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد عورت (امراة) ہے..... صاحب بالجنب کے معنوں میں ہر ساتھی داخل ہے، خواہ سفر کا ساتھی ہو یا نکاح کا ساتھی۔“ (ص ۳۲۶، ۳۲۷)

○ قاننات (النساء ۳۴) کا ترجمہ فرماں بردار عورتوں سے کیا جاتا ہے۔ پھر فرمانبرداری کو شوہر کی

اطاعت سے مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مصنف کا استدلال ہے کہ:

”بعض مفسرین نے اس آیت میں ”قاننات“ کا ترجمہ اپنے شوہروں کی فرمانبرداری سے کیا ہے اور وہ اس پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ نہ تو لغوی طور پر موزوں ہے نہ موقع اور محل کی مناسبت سے۔ قاننات قنوت سے اسم فاعل ہے۔ یعنی ہمیشہ اطاعت کرنے والیاں، ہمیشہ کی اطاعت صرف

۳- تدبیر قرآن، جلد اول، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ص ۵۲۶، تفسیر زیر آیت۔

۴- توضیح القرآن، آسان ترجمہ قرآن، مفتی محمد تقی عثمانی

حق تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اس کی نافرمانی کر کے کسی کی، خواہ وہ والدین ہوں یا خاوند، اطاعت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیا خاوند کے اللہ کے نافرمان ہونے کی صورت میں بھی عورت اس کی فرمانبردار رہے گی؟ بالکل نہیں۔ (ص ۳۵۳)..... قرآن میں قانثین اور قانتات (۲۵:۳۳) کا لفظ ساتھ ساتھ آیا ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والے مرد اور عورتیں۔“
(ص ۳۵۴)

..... O فان كان له اخوة (النساء: ۱۱) کا ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے۔ ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں (دیکھئے مولانا محمود حسن (اسیر مالٹا)، اور مفتی تقی عثمانی کے تراجم) یہ ٹکڑا آیتِ وراثت کا ہے۔ اس لیے یہاں اخوة کے لفظ پر علمی مباحث پائے جاتے ہیں۔ اس پر تو سبھی کا اتفاق ہے کہ اگر ایک بھائی ہو تو وہ ماں کا تیسرا حصہ پانے میں مانع نہیں ہوگا اور تین ہوں گے تو وہ ضرور مانع ہوں گے مگر دو کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اخوة چونکہ جمع ہے۔ اس لیے وہ اس میں داخل نہیں، اور بعض کے نزدیک وہ جمع کے حکم میں داخل ہیں۔ بہر حال راقم الحروف، ان علماء کے موقف سے متفق ہے، جو مسئلہ وراثت میں الفاظ کو وسیع معنی پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ خود قرآن کریم نے ولد کے لفظ کو جمع مذکر مؤنث میں یکساں استعمال کیا ہے، اس لیے اب میں اگر باپ نہ ہو تو دادا مراد ہوگا۔ اُم میں اگر ماں نہ ہو تو دادی مراد ہوگی۔ اسی طرح اخوة کا لفظ ہے۔ جو اپنی معنوی وسعت کے ساتھ بھائی اور بہن دونوں کو شامل ہوگا۔ خواہ ایک ہوں یا زیادہ۔ اس سلسلے میں مصنف نے لکھا ہے۔“ قرآن کے مفردات اور افعال اگر قرینے کے بغیر ہوں تو ان کا اطلاق تذکیر و تانیث کی تمیز کے بغیر دونوں پر ہوتا ہے اور ترجمہ کرتے وقت اس پہلو کو پیش نظر رکھنا ہی از بس ضروری ہے۔“ (ص ۳۶)

اس وضاحت کے بعد فان كان له اخوة کا صحیح اور جامع ترجمہ یہ ہوگا۔ ”اگر اس میت کے بہن بھائی ہوں“ اور یہ وہ ترجمہ ہے، جو مصنف نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور اس ترجمہ کی تائید دیگر معروف مترجمین قرآن سے بھی ہوتی ہے۔ (۵)

۵- دیکھیے مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا غلام رسول سعیدی، اور

..... ۰ یہیں سے اس آیت کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے۔ ایحب احدکم ان یا

کل لحم اخیہ میتاً (الحجرات/۱۲)

اس کا ترجمہ مصنف نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ ”کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی یا مردہ بہن کا گوشت کھائے؟“..... بلاشبہ یہ ایک صحیح اور قرآن کا مطلوب ترجمہ ہے، کیونکہ آیت میں لفظ اخ کا اطلاق بہن بھائی دونوں پر ہوتا ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ ایک منفرد ترجمہ ہے، جو کیا گیا ہے۔

..... ۰ سورہ زخرف کی آیت نمبر ۱۷-۱۸ ہے۔ واذا بشر احدہم بما ضرب للرحمن مثلاً ظلّ وجہہ

مسودا و هو کظیم او من ینشؤ ا فی الحلیۃ و هو فی الخصام غیر مبین۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس کا ترجمہ بایں الفاظ ادا کیا ہے:

”حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس (کے گھر میں بیٹی کی پیدائش) کی خبر دی جاتی ہے، جسے انہوں نے (خدائے) رحمان کی شبیہ بنا رکھا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غم و غصہ سے بھر جاتا ہے۔ اور کیا (اللہ اپنے امور میں شراکت و معاونت کے لیے اسے اولاد بنائے گا) جو زیور و زینت میں پرورش پائے اور (نرمی طبع اور شرم و حیاء کے باعث) جھگڑے میں واضح (رائے کا اظہار کرنے والی بھی) نہ ہو۔“

اس آیت کے تعلق سے مصنف کتاب نے لکھا ہے۔ ”یہاں اس مفروضے کی طرف توجہ دلانا بے محل نہ ہوگا جس کو مرد کی فضیلت کے گن گانے والوں نے عام طور پر اور اپنے مفسرین کرام نے خاص طور پر بیان کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عورت بے زبان ہے اور اپنا مافی الضمیر بیان کرنے پر قدرت نہیں رکھتی، زیر نظر آیت اس مفروضے کی نفی کرتی ہے۔ (ص ۱۳۳)

ذرا آگے چل کر لکھا ہے:

”جیسا کہ مولانا امین احسن اصلاحی نے فرمایا ہے۔ یہ اس احساس کی تعبیر ہے، جو لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر مشرکین کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ یعنی وہ اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ کیا وہ وجود میں آئی ہے، جو زیور میں پلٹی بڑھتی ہے اور بحث مباحثہ میں بے زبان ہے۔ چنانچہ عورت پر یہ تبصرہ اللہ کی طرف سے نہیں، بلکہ اہل عرب کی طرف سے ہے، دوسری اہم بات یہ ہے کہ ینشؤاً مجہول کے صیغہ کے ساتھ استعمال

ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نشو و نما اور ترتیب اس طرح سے کی جاتی ہے۔ نشو و نما کرنے والے اور تربیت دینے والے زمانہ جاہلیت کے عرب ہیں۔ مراد یہ ہے، یہ اس کی فطرت نہیں، بلکہ زمانہ جاہلیت کی تربیت کا اثر ہے۔ (ص ۱۳۳)

.....(۳).....

مصنف کے ہاں بعض الفاظ کی وضاحت اتنی تفصیل سے کی گئی ہے کہ اس پر تفسیر کا گمان ہونے لگتا ہے۔ وہ وضاحتیں ان مباحث پر مشتمل ہیں، جن پر بعض فاش غلط فہمیوں کے ازالے کی سخت ضرورت بھی تھی۔ مصنف ان مقامات سے بحسن و خوبی عہدہ برا ہوا ہے۔ مثلاً نفسِ واحدہ اور خلق منہا زوجہا کی بحث۔ (دیکھئے: ص ۳۱۲-۳۲۳)

اسی طرح لفظ زوج کے تعلق سے بھی عمدہ اور پُر مغز بحث کی گئی ہے۔ (دیکھئے ص ۳۲۳-۳۲۲ نیز ۲۹۶-۳۱۲) بعض اباحت کو کسی نہ کسی پہلو سے مصنف کے امتیازات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ امتیاز بایں طور کہ بالعموم وہ جمہور کے مسلک کے برخلاف ہیں۔ مثلاً عورت کی نبوت کا مسئلہ۔ مصنف اس مسئلہ کے اثباتی پہلو کے قائل ہیں۔ اسی لیے انہوں نے حضرت مریمؑ کو بھی نبی قرار دیا ہے۔ اور اس ضمن میں متعدد دلائل نیز علماء و فقہاء کے حوالے بھی پیش کیے ہیں۔ (ص ۲۲۲ تا ۲۳۲) تاہم وہ عورت کی رسالت کے منکر ہیں اور اس پر انہوں نے بحث بھی کی ہے کہ عورتوں کو رسول کیوں نہیں بنایا گیا۔ (ص ۲۳۳) یہاں اس امر کا اظہار بے جا نہ ہوگا کہ نبوت و رسالت کے باہمی تلازم پر راقم کا ایک مضمون شائع ہو چکا ہے۔ جس میں متعدد قرآنی دلائل سے اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ نبوت و رسالت، ایک دوسرے کا لازمہ ہیں۔ یعنی ہر نبی لازماً رسول ہوتا ہے اور ہر رسول لازماً نبی۔^(۶) اس لیے راقم کو اس مسئلے پر مصنف سے اختلاف ہے۔

مصنف نے عورت کی نبوت کے لیے لفظ رجل کا سہارا لیا ہے، مصنف کا کہنا ہے کہ یہ لفظ مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں استعمال ہوا ہے۔ یقیناً یہ ایک نادر بات ہے۔ (ص ۲۱۶) دیگر اہل علم کو بھی اس پر اپنی تحقیقات پیش کرنی چاہئیں۔

.....(۴).....

نقد و نظر کو تحقیق کی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس پہلو سے یہ کتاب بسا غنیمت ہے۔

۶- دیکھئے سہ ماہی التفسیر، کراچی، جلد نمبر (۱) شمارہ نمبر (۲) (اپریل تا جون ۲۰۰۵ء) بعنوان ”نبی کے صاحب کتاب ہونے کی بحث“

مصنف نے بعض نامور علماء پر اپنی تنقیدات پیش کی ہیں۔ جن میں ابن کثیرؒ، صاحب کشفؒ، امام راغب اصفہانیؒ اور امام طبریؒ وغیرہ شامل ہیں۔ مثلاً اسلوب تغلیب کی بحث میں مصنف نے لکھا ہے۔

”اصول فقہ کے بہت سے علماء کی یہ رائے ہے کہ مذکر کے صیغے میں داخل ہونے کے لیے مؤنث کے لیے کوئی قرینہ ہونا چاہیے..... بجائے اس کے کہ وہ یہ بات کہتے کہ جمع مذکر سالم کے صیغوں میں مؤنث کا صیغہ تغلیباً شامل ہوتا ہے اور اس کے خروج کے لیے قرینہ ہونا چاہیے۔ انہوں نے اُلٹ بات کہی ہے۔ اس رائے کا عکس ان علماء کی تفسیر میں دیکھا جاسکتا ہے، جہاں عورت کو مرد سے کم تر دکھایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر

ولاتؤتوا السُّفہاء اموالکم (النساء ۴-۵) میں السُّفہاء (بیوقوف) کی تفسیر ابن کثیر نے عورتیں اور بچے کی ہے۔“ (ص ۲۷-۲۸)

.....O یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (النساء ۱۱:۴) (اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔) اس آیت کے ضمن میں مصنف رقمطراز ہے:

”شریعت میں عورت کے حصے کو اصل تصور کر کے مرد کے حصے کو اس پر محمول کیا گیا ہے۔ اور حصہ کی اضافت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو عبارت یوں ہوتی لانتشی نصف الذکر۔ یعنی حظ کی اضافت ذکر کی طرف ہوتی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا حصہ مقرر اور معروف ہے۔ مفتی محمد عبدہ کی یہی رائے ہے۔ اس کے برعکس صاحب کشف نے اپنے دماغ میں جے ہوئے تصور کے تحت اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ مرد کے حصے کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ افضل ہے اور اسی وجہ سے اس کا حصہ دگنا مقرر کیا گیا ہے۔ یہ توجیہ غیر منطقی ہونے کے علاوہ علم بیان کے اصول کے خلاف ہے۔ کیونکہ مشبہ بہ، مشبہ سے افضل ہوتا ہے۔ یہ غلطی مفسرین سے سورۃ آل عمران کی آیت (۳۶:۳) ولیس الذکر کا لانتشی کی تفسیر میں سرزد ہوئی ہے۔ لطف کی بات یہ

ہے کہ خود صاحبِ کشف نے آلِ عمران کی آیت کی تفسیر میں اس غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جنسی تعصبِ صاحبِ کشف کے پائے کے مفسرین کے منہ سے بھی کیا کیا باتیں نکلاتا ہے؟“ (ص ۵۰۱-۵۰۲)

اس اقتباس میں مفسرین اور صاحبِ کشف دونوں پر مصنف کا نقد موجود ہے۔ ایک مقام پر مصنف نے لکھا ہے:

”مفسرین کرام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جنسی لذت کے بغیر جنت میں بھی بیوی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ عورت صرف جسم ہے دماغ نہیں، اس لذت کے بغیر ان کا ساتھ ممکن ہی نہیں۔ اس سلسلے میں عورت کے بارے میں مفسرین کی سوچ کا ایک نمونہ پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، وہ کوئی چھوٹے موٹے مفسر نہیں، بلکہ بلند پایہ مفسر اور فلسفی امام رازی ہیں۔ وہ سورہ روم کی آیت (۲۱-۳۰) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔ خلیق لکم (تمہارے لیے پیدا کیا) اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کو جانوروں اور نباتات کی فائدہ مند چیزوں کی طرح پیدا کیا گیا ہے..... امام صاحب نے تو عورت کو انسانوں کی صف سے نکال کر ڈھور ڈنگروں کی صف میں شامل کر دیا ہے۔“ (ص ۳۲۶-۳۲۷)

.....(۵).....

.....○ کہیں کہیں مصنف کا نقد، راقم کو صحیح نظر نہیں آیا۔ مثلاً امام رازی پر ایک شعر کے حوالے سے جو نقد کیا گیا ہے (ص ۵۰۲) وہ راقم کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے المرء کے معنی کی تعیین لفظ انسان سے کی ہے۔ انسان کا لفظ مرد و عورت ہر دو پر بولا جاتا ہے۔ مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ ذو معنی الفاظ میں معنی کا تعیین سیاق عبارت سے طے ہوتا ہے۔ اس لیے المرء کا معنی بے شک انسان ہی ہے۔ مگر یہاں معنی کا تعیین سیاق عبارت سے متعین ہوگا۔ چونکہ ما قبل عبارت میں عورت کا ذکر آیا ہے اس لیے شعر میں المرء کا مطلب عورت ہی سمجھا جائے گا کہ مرد۔ اور ایسا سمجھنا ازروئے عقل کوئی غلط بھی نہیں ہے۔

.....○ ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروہم۔ (تغابن ۶۴:۱۴) بالعموم اس کا ترجمہ کیا

جاتا ہے۔ ”تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں۔ اس لیے ان سے ہوشیار رہو۔“ (۷)

اس طرح کے ترجمے پر مصنف کا نقد یہ ہے:

”ظاہر ہے کہ ازواج کا ترجمہ بیویاں کرنے سے عورت کے خلاف قرآن کی ایک نَصّ ہاتھ آجاتی ہے۔ اس لیے اسی ترجمے میں عافیت سمجھی گئی ہے۔ امام طبری نے اس سلسلے میں روایت نقل کی ہے۔ اگر کوئی آدمی مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا ارادہ کرتا تو اس کے بیوی بچے اسے روکتے اور اس کی ہمت توڑتے۔ سورہ تغابن کی سورۃ ہے۔ اس لیے ہجرت سے روکنے والی روایت غیر مستند ہے۔ کاش امام طبری وہ روایات بھی بیان کر دیتے، جن میں بیویاں اسلام کی خاطر، اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئیں۔ اب آتے ہیں۔ ترجمہ کی طرف۔ خطاب سب اہل ایمان سے ہے۔ جس میں مرد بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔ چنانچہ ازواج کا ترجمہ جوڑے اور ساتھی کیا جائے گا۔ اور صحیح ترجمہ یہ ہوگا۔ ”اے اہل ایمان! تمہارے بعض جوڑے یا ساتھی اور تمہاری اولاد (لڑکوں اور لڑکیوں سمیت) تمہارے دشمن ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا۔“ (ص ۳۳۰)

اس اقتباس میں مصنف کا نقد، امام طبری پر بالکل واضح ہے۔

..... ۰ کیا مَوْنُث گھٹیا ہوتی ہے؟ کے زیر عنوان مصنف نے لکھا ہے:

”حسن سے روایت ہے کہ جن چیزوں میں روح نہ ہو ان کو اناث کہا جاتا تھا۔ امام راغب نے بھی اناث سے مراد جمادات ہی لیے ہیں۔ کیونکہ ان میں صرف قوتِ منفعلہ (یعنی دوسرے کا اثر قبول کرنا) ہوتی ہے۔ اور وہ قوتِ فاعلہ سے محروم ہوتے ہیں۔

لغتِ قرآن کے بارے میں امام راغب کا مرتبہ اور مقام مسلم ہے۔ مگر

مؤنث کو جمادات قرار دینا قرآنی فکر کے منافی ہے۔ اپنے سماجی رویوں کے زیر اثر بعض مفسرین نے اس آیت کی غلط تفسیر کی ہے۔
امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں عورت کے بارے میں بہت ہی گھناؤنا تصور پیش کیا ہے۔“ (ص ۱۷۶)

مذکورہ بالا اقتباس میں مصنف نے جہاں امام راغب اصفہانی پر تنقید کی ہے وہیں امام طبری اور امام رازی پر بھی نقد کیا ہے۔

○ مسلمانوں کے مجموعی رویوں بالخصوص مذہبی پیشواؤں پر تنقید کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ:

”آج بھی ہم ابنِ خلدون اور ابنِ سینا، جابر بن حیان، زہراوی، ادریسی اور اصطخری جیسے علماء کا نام فخر سے لیتے ہیں، اور جب بھی کوئی دریافت ہوتی ہے تو اسے ان علماء کی طرف منسوب کرتے ہیں، یا قرآن کی کسی آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کسی مسلمان صاحبِ علم نے اس کو دریافت کیوں نہ کیا؟ علم کو مذہبی حدود میں محدود کرنا سراسر زیادتی ہے۔ ہمارے وہ مذہبی پیشوا، جو عصری علوم سے بالکل نا آشنا ہیں۔ اور دینی علوم میں وہ تقلید سے آگے نہیں بڑھتے۔ ان پر علماء کا لیبل چسپاں کیا جاتا ہے۔ اس حالت میں اللہ کے وعدہ کی پورا ہونے کی توقع کرنا، احمقوں کی جنت میں بسنا ہے۔ علم کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر کتاب و سنت سے صریحاً متضاد ہے۔“ (ص ۳۵۹)

○ لم یطمثہن انس قبلہم ولا جان (الرحمن ۵۶/۷۶)

جنہیں پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے چھوا ہے۔

اس کے تحت مصنف نے لکھا ہے۔ ”مفسرین نے یہاں پر ایک بے محل بحث چھیڑ دی کہ آیا جن عورتوں سے جماع کر سکتے ہیں یا نہیں؟..... یہاں یہ بحث طمٹ کے لغوی معنوں کی وجہ سے چھیڑی گئی ہے۔ حالانکہ اس کے عام معنی چھونا ہی ہیں۔ یہاں صرف اسی قدر ہے کہ کوئی مخلوق خواہ جن ہو یا انس، ان کے پاس پھٹکی نہ ہوگی۔“ (ص ۲۶۸)

مصنف کا یہ کہنا کہ ”مفسرین نے یہاں پر ایک بے محل بحث چھیڑ دی۔“ بجائے خود بے محل ہے۔

کیونکہ طمٹ کا معنی تو چھونا ہی ہے۔ مگر عورتوں کے تعلق سے یہ صحبت اور جماع کے لیے بطور کنایہ کے استعمال ہوتا ہے۔ طمٹ المراء کے معنی ہوتے ہیں۔ اس نے اس عورت کی بکارت زائل کر دی۔^(۸) اور بعض اہل لغت تو اس کے معنی ہی عام جماع کرنے کے لیتے ہیں۔ اس لیے ازروئے لغت اس بحث کو بے محل قرار دیا جا سکتا ہے نہ ازروئے عبارت۔ کیونکہ اس میں انس و جن دونوں کا بیان ہے۔ اس لیے جن کے تعلق سے بھی یہ بحث بر محل اور موزوں نظر آتی ہے۔

○ مصنف کے ہاں لسواطت کے لفظ کا استعمال بایں عبارت موجود ہے۔ ”قرآن کریم کا قول ہے کہ قوم لوط ایک برائی کا ارتکاب نہیں کرتی تھی بلکہ کئی برائیوں کی مرتکب تھی یعنی لواطت۔ کئی برائیوں کا مجموعہ ہے۔“ (ص-۲۵۶) اس عبارت پر راقم کا نقد یہ ہے کہ لفظ لواطت کی نسبت حضرت لوط علیہ السلام جیسے پیغمبر کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے۔ مشہور لغت Lexicon کے صفحہ نمبر ۹۹۲ پر ہم جنس پرستی کی اس بدکاری کو Sodomy کے لفظ سے منسوب کیا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت لوط * جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ وہ قوم سدوم اور عمورہ نامی بستیوں میں رہتی تھی۔^(۹) اسی قوم میں بحیثیت مجموعی یہ لت سب سے پہلے پڑی کہ اس نے امرد پرستی کو بطور قومی تہذیب کے اختیار کر لیا۔ قرآن مجید نے یہ حقیقت مختلف مقامات پر واضح گف کر دی ہے۔^(۱۰) اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے بجائے لواطت کے سدومیت کا لفظ استعمال کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ دوسرا نقد یہ کہ مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ ”لواطت کئی برائیوں کا مجموعہ ہے۔“ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لواطت کا مفہوم سوائے مردانہ ہم جنس پرستی (امرد پرستی) کے کچھ اور نہیں ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ قوم لوط میں دیگر مفسد بھی موجود تھے۔ مگر ان مفسد کو کسی نے لواطت سے تعبیر نہیں کیا۔ نیز خود مصنف نے بھی اگلے جملے میں لکھ دیا ہے کہ ”سائنسی تحقیق نے ایڈز جیسے موذی مرض کو بھی اس غیر فطری فعل کا نتیجہ قرار دیا ہے۔“ (ص ۲۵۶) اس جملے سے (بقول مصنف) خود لواطت کا معنی متعین ہو گیا ہے۔

○ مصنف نے تعدد ازدواج کے نقصانات کے زیر عنوان لکھا ہے۔ ”عدل کی شرط کو اگر سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۳۹ یعنی لن تستطیعوا ان تعدلوا کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو دونوں آیات کے مجموعے

۸- المفردات فی غریب القرآن، امام راغب اصفہانی

۹- بائبل، کتاب پیدائش، باب نمبر ۱۳، آیت نمبر ۱۳

۱۰- سورۃ عنکبوت، آیت نمبر ۲۷-۳۸، سورۃ الاعراف آیت نمبر ۸۰-۸۱

سے کسی نہ کسی طرح تعدد ازدواج کے خلاف نتیجہ نکلتا ہے یا کم از کم اس سے تعدد کا دائرہ بہت تنگ ہو جاتا ہے۔“ (ص-۵۵۵)

تعدد ازدواج کی اجازت قرآن کریم میں بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اس تعدد کی علت کے پیش نظر یقیناً یہ کہنا بجا ہوگا کہ اسلام تعدد ازدواج کا مخالف ہرگز نہیں اور نہ ہی اس اجازت میں کسی قسم کا کوئی نقصان مضمر ہے۔ بلکہ قرآنی حکمتوں سے مجرد اگر فقط زوجہ واحدہ پر ہی انحصار ہو تو کیا کوئی ضمانت دے سکتا ہے کہ یک زوجگی کا اصول نقصانات سے پاک ہوگا اور نقصان تو صرف تعدد ازدواج میں ہی ہے۔ ایسا انداز فکر اختیار کرنا خود قرآنی مطلوبات اور اس کے مقاصد کے خلاف ہے۔ یعنی ایک طرف تو اللہ نے تعدد کی اجازت دے دی، اور دوسری طرف خود اپنی اجازت کو نقصانات سے بھر دیا۔ اس مسئلہ پر راقم کے خیال میں مصنف کو نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

○ اسی طرح مصنف کے ہاں لفظ سوت کا استعمال بھی ملتا ہے۔ مصنف رقمطراز ہے۔ ”سوت بچوں میں بغض و عناد کا بیج بونتی ہے۔“ (ص ۵۵۶) راقم نے ”زوج اور سوت دو متقابل اصطلاحیں“ کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا ہے۔^(۱۱) جس کا حاصل یہ نکالا ہے کہ سوت کا لفظ ہمارے مذہبی ذخیرے میں غلطی سے شامل ہو گیا ہے۔ یہ ہندی کچھر کا لفظ ہے، جو اپنے مالہ وما علیہ کے ساتھ سمجھا اور بولا جاتا ہے۔ اس لفظ کا ہمارے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں اس لفظ کا استعمال بند کر دینا چاہیے۔“ (تفصیل کے طالبین مضمون ملاحظہ فرمائیں)

.....(۶).....

اور اب کچھ اشارے اردو املاء کی تصحیح کے تعلق سے ملاحظہ ہوں جسے مصنف کے علمی مرتبے کے پیش نظر سہو کتابت پر محمول کیا جاتا ہے۔

”..... تو انہوں نے ایک گھرانے کا پتہ بتانے کی حامی بھری“ (ص ۳۹)

عبارت میں مطلوب صحیح لفظ حامی ہے۔ جس کا معنی ہے اقرار، اثبات، ہاں اور حامی کا معنی ہے، حمایتی، مددگار، نگہبان، جو یہاں مطلوب نہیں ہے۔

اسی طرح یہ عبادت بھی دیکھیے:

”عبد یعبد (ن) ذلیل ہونا، مطیع ہونا، انکساری کرنا، اس کی مصدر زیادہ تر عبادۃ ہے۔“ (ص ۳۶۴)

اس عبارت میں مصدر کو مؤنث لکھا گیا ہے۔ حالانکہ مصدر مذکر ہے۔ صحیح عبارت یوں ہے۔ اس کا زیادہ تر عبادت ہے۔

اسی طرح ملاحظہ کیجئے۔

”..... ایڈز جیسی موذی مرض جنم لیتی ہے۔“ (ص ۲۵۴)

ایڈز، مذکر ہے۔ اس کے ساتھ جیسا آئے گا، اور مرض بھی مذکر ہے، اس کے ساتھ لیتا آئے گا۔ صحیح عبارت یہ ہوگی۔ ایڈز جیسا موذی مرض جنم لیتا ہے۔

”فبث منہما رجلاً کثیراً ونساء۔“ (ص ۳۱۳)

آیت میں فبث نہیں، وبث ہے۔

اور آخر میں عرض ہے کہ مصنف کی کتاب کثرتِ حوالہ جات سے مملو ہے۔ کوئی صفحہ ایسا نہیں، جس میں متعدد حوالے موجود نہ ہوں۔ مگر اس کے باوجود راقم کو یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ مصنف نے جدید تحقیقی اسلوب اختیار نہیں کیا ہے۔ کتاب میں تفسیر و لغت کی متعدد کتابوں سے طولِ طویل عبارات نقل کی گئی ہیں۔ مگر چونکہ حوالہ دیتے وقت واوین کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے معلوم نہیں ہو پاتا کہ ان عبارات میں مصنف کتاب کا حصہ کتنا ہے اور حوالہ کتاب کا کتنا؟ اس طرح قاری اول سے آخر تک خلطِ محبت کا شکار رہتا ہے۔ مگر ان کمزوریوں کے باوجود یہ ایک علمی کتاب ہے۔ اور مصنف بلاشبہ اس امر کے سزاوار ہیں کہ انہیں دلی مبارک باد پیش کی جائے۔



اشتهار